بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دنیا کا نظام جن آلہی قوانین پر قائم ہے ان میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ اشیاء کو ان کے کمالات کی طرف ترقی دینے میں جس طرح مبدأ فیاض کی طرف سے علیٰ قدر مراتب، جود و بخشش کا فیضان ہوتا ہے، اسی طرح خود اشیاء کو بھی کمال کے ہر نئے مرتبے میں اپنے پچھلے مرتبے کے لوازم اور مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنا پڑتا ہے اور اس قربانی کے بغیر تحصیل کمالات کے سفر میں وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ بخار کو پانی بننے کے لئے اپنی آزادی اور ہوائیت کو قربان کرنا پڑتا ہے، اور وہ تقیدات قبول کرنے ہوتے ہیں جو مائیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پانی کو برف بننے کے لئے پھر اپنی رہی سہی آزادی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، اپنے بہت سے آبی خواص کی قربانی دینی ہوتی ہے تب جا کر اسے پتھر کی سی سختی اور شیشے کی سی صفائی اور چمک میسر ہوتی ہے۔ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ بخار کے لئے حالت بخاریہ میں رہتے ہوئے اور ہوا کی سی آزادی و لطافت رکھتے ہوئے وہ کمالات بھی جمع ہو جائیں جو صورت مائیہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور وہ کمالات بھی جو برف کے لئے مقدر کئے گئے ہیں۔

یہ سنت اللہ ہے جس میں کوئی استثناء اور تغیر و تبدل نہیں، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ تمام مخلوقات عالم پر یہی قانون جاری ہے، اور سب کی طرح انسان بھی اسی کے زیر اثر ہے۔ نطفہ اپنی صورت نطفیہ کو قربان کر کے صورت انسانیہ حاصل کرتا ہے، بچہ اپنے بچپن کو قربان کر کے جوانی حاصل کرتا ہے، اور جوان اپنی جوانی کھو کر بڑھاپے کی بزرگی حاصل کرتا ہے۔ پھر زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ترقی کرنے اور اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لئے انسان کو کچھ نہ کچھ قربانیاں نہ دینی پڑتی ہوں۔ بڑائی اور بزرگی کا دامن ہر میدان میں قربانی

اور ایثار کے ساتھ وابستہ ہے ایک بڑے فائدہ کے لئے بہت سے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں، ایک بڑی لذت کے لئے بہت سی تلخیاں گوارا کرنی ہوتی ہیں، ایک اعلیٰ مرتبے کے لئے بہت سے ان عزو جاہ اور ان مراتب سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے جو ادنیٰ مراتب میں حاصل تھے۔ جس علامہ کی جلالت علمی پر آپ رشک کرتے ہیں اس سے پوچھئے کہ اس نے کتنی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں۔ اور کتنا خون جگر تحقیق و اکتشاف کی راہ میں کھپایا ہے؟ جس ملک التجار کی دولت کو دیکھ کر آپ کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اس سے پوچھئے کہ روپیہ کمانے کی جدوجہد میں کس طرح اس نے دن کے آرام اور رات کے چین کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے؟ جس مدبر سلطنت کے اقتدار اور شان و شوکت کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں، اس سے پوچھئے کہ اسے کتنی کشمکش، کتنی پریشانیوں، کتنی ٹھوکروں، اور کتنی روحانی و جسمانی اذیتوں کے بعد اس مقام تک پہنچنا نصیب ہوا ہے؟ غرض زندگی کا کوئی میدان لے لیجئے، ہر جگہ آپ یہی دیکھیں گے کہ کمال اور ترقی کا ہیولیٰ لذتوں کے خون سے تیار ہوتا ہے۔ اور کمال کے مراتب جتنے بلند ہوتے ہیں، ان کے لئے قربانیاں بھی اتنی ہی زیادہ درکار ہوتی ہیں۔

دنیوی کمالات سب کے سب جزئی کمالات ہیں اس لئے وہ قربانیاں بھی صرف جزئی چاہتے ہیں۔ دنیوی کمالات جتنے ہیں سب مادّی ہیں یا ان میں مادّے کی آمیزش ہے، اس لئے وہ قربانیاں بھی ایسی ہی چاہتے ہیں۔ جو مادّی قسم کی ہوں یا مادّے سے لگاؤ رکھتی ہوں دنیوی کمالات کا مقصود نفس یا تعلقات نفس کے لئے فوائد کا حصول ہوتا ہے، لہٰذا ان کے لئے صرف وہ چیزیں قربان کی جاتی ہیں جو نفس اور اس کے محبوبات و مطلوبات سے ماسویٰ ہیں۔ مگر کمال حقیقی کا معاملہ ان سب سے جداگانہ ہے۔ یہ کلی کمال ہے، قربانی بھی کلی چاہتا ہے۔ مادّے سے مجرد و منزّہ ہے، اس لئے جسم کی نہیں نفس و روح کی قربانی چاہتا ہے گو ظاہری شکل کے اعتبار سے اس کے لئے بھی بہت سی ایسی قربانیاں دینی پڑتی ہیں جو مادی قسم کی ہیں، یا مادّے سے لگاؤ رکھتی ہیں، لیکن دراصل وہ مادّے کی قربانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ان محبتوں، ان دلچسپیوں

ان لذتوں اور ان علائق کی قربانیاں ہیں جو انسانی روح اس دنیا کی مادی اشیاء کے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کمال کا مقصود نفس یا متعلقات نفس نہیں بلکہ حق ہے اس لئے وہ خود نفس کی قربانی چاہتا ہے اور بشرط ضرورت نفس کے ساتھ ہر وہ شئے اس کے لئے قربان کرنی پڑتی ہے جو نفس کو مرغوب ہو۔

✓ یہی نکتہ ہے جسے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳ : ۱۰)

یعنی تم نیکی کے مقام رفیع تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ وہ چیزیں نہ خرچ کرو جنہیں تم عزیز و محبوب رکھتے ہو۔ یہ مِمَّا تُحِبُّوْنَ کا لفظ اتنی وسعت رکھتا ہے کہ جان، مال، اولاد، رشتہ دار، دوست وطن قوم، عزت، شہرت، ہر دلعزیزی، لذت و مسرت، عیش و آرام، عقائد و افکار، حریت خیال و آزادی عمل، غرض ہر محبوب شئے اس میں داخل ہے۔ اور ان سب چیزوں کو ماتحبون کے دائرے میں لیکر حکم لگایا گیا ہے کہ اگر تم "نیکی" کے اعلیٰ مراتب تک پہنچنا چاہتے ہو، تو تمہیں حق کی خاطر ان میں سے ہر چیز قربان کرنی پڑے گی۔ حق سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس سے محبت رکھو۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ جو چیز تمہارے دل میں اتنا گھر کرلے گی کہ اس کی محبت، حق کی محبت سے بڑھ جائے اور حق کے مقابلے میں تم اس کو عزیز رکھنے لگو، وہی بت ہے صنم ہے، بنائے شرک و کفر ہے نیکی کے مقام تک پہنچنے میں وہی سنگ راہ ہے۔ اس کمال کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلی ضرب اسی بت پر لگاؤ اور اسے پاش پاش کرکے حق کی محبت کو سب محبتوں پر غالب کردو۔

غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں اول سے لیکر آخر تک جو کچھ ہے قربانی ہی قربانی ہے اسلام میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے انسان کو آزادی فکر و آزادی عمل کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

"اسلام" لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اب آپ اس کے لئے آزاد نہیں ہیں کہ جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں اور جو راہِ عمل پسند کریں اس پر چلنے لگیں۔ بلکہ آپ کا کام وہ اعتقاد رکھنا ہے۔ جو خدا اور رسول نے پیش کیا ہے، اور ان احکام و قوانین کے مطابق چلنا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر دئیے ہیں

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ (۷:۱) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اُتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر ان کی پیروی نہ کرو جن کو تم نے دوست بنا لیا ہے۔

یہ "اسلام" یا "نیکی" کے راستے میں پہلا قدم ہے، اور اسی پر اتنی بڑی قربانی دینی پڑتی ہے کہ اچھے اچھے اسی مقام پر ڈگمگا جاتے ہیں یہاں زندگی کے ہر شعبے میں حلال اور حرام کے حدود ہیں، خبیث اور طیب کے امتیازات ہیں، فرائض و طاعات ہیں، حقوق و واجبات ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کیا ہے۔ داعیاتِ نفس قدم قدم پر انسان کو اثم و عدوان کی طرف کھینچتے ہیں، مگر اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ حدود اللہ پر نفس کی ساری خواہشوں کو بھینٹ چڑھاؤ۔ لذتوں کا خون کرو، فائدوں کو قربان کرو۔ یہ تقویٰ اور پاکیزگی کی راہ بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر ایک قدم بھی انسان اپنے جذبات و داعیات اپنے لطف اور اپنے فوائد کی قربانی دیے بغیر نہیں چل سکتا۔ فضل و احسان کا مقام تو بہت بلند ہے۔ فرائض و واجبات کے ٹھیک ٹھیک بجا لانے حقوق کو پوری طرح ادا کرنے، اور گناہ کے راستوں سے بچ نکلنے ہی میں نفس پر کچھ کم جبر نہیں کرنا پڑتا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، یہ تو صرف پہلا ہی قدم ہے، یہ پورا اسلام نہیں ہے، بلکہ اسے محض اسلام میں داخلہ کا امتحان سمجھیے۔ اسلام صرف یہی نہیں ہے کہ آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، بشرطِ استطاعت حج اور زکوٰۃ ادا کریں، معاصی سے مجتنب رہیں اور حقوق ادا کرتے رہیں بلکہ اسلام کی اصلی روح یہ ہے

کہ آپ حق کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز رکھیں اور جب موقع آئے تو کسی چیز کو بھی حق پر فدا کر دینے میں دریغ نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ ایک طرف حق ہو اور اس کے ساتھ جان و مال کا زیاں ہو مصیبتیں اور تکلیفیں ہوں، رسوائیاں اور ٹھوکریں ہوں اور دوسری طرف باطل ہو، اور اس کے ساتھ عیش و آرام ہو، لطف و مسرت ہو، اور ہر طرح کے فائدے ہوں، تو مسلمان وہی ہے جو حق کے پہلو کو اختیار کرے، اور اس کی خاطر ان سب مصائب کو بخوشی برداشت کرے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ، وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔(۲: ۱۹)	ہم ضرور تم کو کچھ خوف اور بھوک اور جان و مال اور ثمرات کے زیاں سے آزمائینگے اور (اے نبی) تو ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیدے جن پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف پھرنا ہے۔

اگر کسی وقت خود اپنے باپ بھائی، اہل خاندان اور دوست حق کے دشمن ہو جائیں تو مسلمان وہی ہے جو حق کے لئے ان سب کو چھوڑ دے اور کسی سے تعلق نہ رکھے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ (۵۸: ۳)۔	تو کوئی قوم ایسی نہ پائیگا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان بھی رکھتی ہو اور پھر اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے، چاہے وہ دشمنان خدا اور رسول ان کے باپ یا بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہوں

اگر کسی وقت قوم اور وطن کی حق سے دشمنی ہو جائے تو مسلمان وہی ہے جو حق کی خاطر قوم سے قطع تعلق کرے اور وطن کو خیرباد کہدے، ورنہ اس کو منافق کہا جائیگا خواہ وہ کیسا ہی نمازی پرہیزگار ہو:

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي	تم ان کو ہرگز دوست نہ بنانا جب تک کہ وہ خدا کی راہ

سَبِیْلِ اللّٰهِ (۴ : ۱۲) میں ہجرت نہ کریں۔

اگر کسی وقت دشمنان اسلام کے خلاف جنگ کی ضرورت پیش آجائے تو مسلمان وہی ہے جو سر ہتھیلی پر لے کر مرنے اور مارنے کے لئے نکل آئے، اور حق کی خاطر جان قربان کر دینے میں ذرا دریغ نہ کرے۔ جس نے اس موقع پر کوتاہی کی اس کا دعوئے اسلام جھوٹا ہے خواہ کتنا ہی بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔ (۳ : ۱۷)

جس روز دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوی، اس دن تم پر جو مصیبت آئی وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لئے تھی کہ مومنوں اور منافقوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

غرض اسلام کچھ نہیں ہے، مگر حق پر فدا ہو جانے اور ہر عزیز سے عزیز شئے فدا کر دینے کا ایک عاشقانہ جذبہ جس شخص میں یہ جذبہ موجود نہ ہو۔ جو شخص حق کے مقابلے میں جان یا مال، یا اولاد یا ملک و قوم، یا کسی اور دنیوی چیز کو عزیز رکھتا ہو، اس کا اسلام ادھ موا بلکہ بے جان ہے۔

قرآن مجید میں جس طرح سے اس سچی اسلامی روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اسی غرض کے لئے پچھلی امتوں کے انبیاء اور صالحین کے فداکارانہ واقعات کو موثر پیرائے میں دہرایا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو حق کی طرف بلاتے ہیں، سالہا سال بلکہ قرنہا قرن تک شدید مصائب برداشت کرتے ہیں اور جب وہ نہیں مانتی تو خدا سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا ان کافروں میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑ۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (۷۱ : ۲) ان کی آنکھوں کے سامنے بیٹا غرق ہوتا ہے، بیوی تباہ ہوتی ہے، مگر ایمان میں ذرا فرق نہیں آتا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بدکار قوم کو چھوڑ کر ہجرت اختیار کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا جاتا ہے اور قید و ذلت کی دھمکی دیجاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ مجھے گناہ کے مقابلہ میں قید زیادہ محبوب ہے۔ رَبِّ السِّجْنُ

أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (۱۲: ۴) فرعون کے ساحر حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بے تکلف اعلان کر دیتے ہیں کہ آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (۲۶: ۳)۔ ہم پروردگار عالم پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا خدا ہے۔ فرعون ان کو سخت عذاب دیکر ہلاک کر دینے کی دھمکی دیتا ہے تو وہ صاف کہدیتے ہیں کہ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۲۰: ۳)۔ تجھے جو کچھ کرنا ہے کرگذر۔ تیرا حکم تو بس اسی دنیا کی زندگی پر چل سکتا ہے۔ اصحاب کہف اپنی قوم کے مذہب سے علانیہ تبری کرتے ہیں کہ ہم خداوند ارض و سما کو چھوڑ کر کسی کی عبادت نہ کریں گے، رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا (۱۸: ۲) اور جب قوم کے راستے سے ان کا راستہ الگ ہو جاتا ہے تو گھر بار عزیز اقارب سب کو چھوڑ کر ایک غار میں جا بیٹھتے ہیں۔

ان سب سے بڑھ کر حضرت ابراہیم کی خدا کاریاں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ فرمایا ہے۔ انہوں نے حق کی خاطر وہ سب کچھ قربان کیا جو دنیا میں ایک انسان کو عزیز ہو سکتا ہے۔ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑا اور صاف اعلان کیا کہ تمہارے معبودوں سے مجھے کچھ سروکار نہیں۔ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ (۴۳: ۳)، قوم اور سلطنت اور خود اپنے باپ سے دشمنی مول لی۔ ان کے بتوں کو توڑا۔ قوم نے ان کو آگ کا عذاب دینا چاہا تو انہوں نے آگ کے گڑھے میں گرنا قبول کیا مگر حق کو چھوڑنا گوارا نہ کیا، پھر اپنے باپ، اپنے خاندان اور اپنی قوم سب کو چھوڑ کر وطن سے تن بتقدیر نکل کھڑے ہوئے اور سب سے کہدیا کہ ہمارا اب تم سے کچھ تعلق نہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی ہو گئی تا وقتیکہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (۶۰: ۱) یہ سب محبتیں قربان کر دینے کے بعد ایک محبت باقی رہ گئی تھی جو حق کی محبت کے پہلو بہ پہلو دل میں جا گزیں تھی۔ حکم ہوا کہ اس بت کو بھی توڑ دو جو اپنے

دکھایا گیا کہ اپنے ہاتھوں اپنے عزیز بیٹے کو جو بڑھاپے کی لکڑی تھا ذبح کر رہے ہیں۔ حضرت حق آزمانا چاہتے تھے کہ یہ دوستی کا مدعی اولاد کی محبت کو بھی ہماری محبت پر قربان کرتا ہے یا نہیں مگر وہ سچا مسلمان اس آزمائش میں بھی پورا اترا۔ اس کا دعویٰ عشق سچا تھا۔ جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، بیداری میں بھی کر دکھانے پر آمادہ ہوگیا۔ اس طرح جب حق کی محبت پر ساری محبتیں قربان ہوگئیں، تب بارگاہ خداوندی سے اپنے اس بندے کو ایمان کی سند دی گئی۔ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۷: ۳) اور اسے نوع بشری کا امام بنایا گیا۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (۲: ۱۵) اور تمام عالم کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہارے لئے اس کی اور اس کے ساتھیوں کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ (۶۰: ۱)

عیدالاضحیٰ کا تہوار اسی روح کو سال بسال تازہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ قربانی کی ظاہری شکل، جانور پر چھری چلانا، اس کا خون بہانا فی نفسہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ان ظاہری اعمال سے دراصل اس سب سے بڑی قربانی کی یاد تازہ کرنا مقصود ہے جو حضرت ابراہیم نے محبوب حقیقی کے لئے دی تھی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ فعل عبث ہے، ایک جانور کو ذبح کر دینے سے کیا فائدہ؟ مگر کوئی ان سے پوچھے کہ مہذب قومیں جو بڑے بڑے آدمیوں کے مجسمے نصب کرتی ہیں۔ اور ان کی برسیاں مناتی ہیں۔ ان سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ یہی نا کہ ان ظاہری علامتوں سے ان کے کارناموں کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی تقلید کا جذبہ دلوں میں زندہ ہوتا ہے۔ بس یہی فائدہ اس قربانی کا بھی ہے۔ خدا کو جانور کا گوشت پوست اور اس کا خون نہیں پہنچتا، بلکہ وہ ایثار و فدویت کی روح اس کو عزیز ہے جو اس کے پاک بندے ابراہیم کے رگ و پے میں ساری تھی، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر مسلمان میں یہی روح پیدا ہو، ہر مسلمان اسی طرح اپنی تمام محبتوں کو حق کی محبت پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہے۔